

آئینوں کے اپنے دکھ

ایستاد ارشد



وہ سب تو قیدی تھے

پیادہ کالی حسین

علم و انسانیت

مجلس شورای اسلامی

المستوفى

11/11/2004

lecturer_isl@yahoo.com عبدالحی عابد

lecturer_isl@yahoo.com عبدالحی عابد

آئینوں کے اپنے دکھ

یوسف خورشید

علم و فن پبلشرز

34 اردو بازار، لاہور۔ فون: 7232336-7352332
E-Mail: ilmofanpublishers@hotmail.com

انتساب

آداب و تسلیمات کے ساتھ!

والد محترم جناب چوہدری مولابخش گوندل (مرحوم)

چھوٹے بھائی چوہدری فرخ محمود گوندل (مرحوم)

اور

محترمہ والدہ صاحبہ کے نام

جن کی دعاؤں کے سہارے زندہ ہوں

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

نام کتاب	آئینوں کے اپنے دکھ
شاعر	یوسف خورشید
طابع	علم و فن پبلشرز، لاہور
پرستار	جوہر عثمانیہ پرنٹرز، لاہور
کیپوزنگ	بسم اللہ گرافکس، ملنگ چنگی، لاہور
تعداد	۱۰۰
اشاعت اول	اکتوبر ۲۰۰۲ء
قیمت	120/- روپے

فہرست

- ۱۱- اس سے پہلے کہ وہ چلا جائے
۱۲- خدشہ (نظم)
۱۳- حقیقت منہ چپائے بھاگتی ہے
۱۴- پھر کوئی جھوٹی تسلی دے کے بہلاؤ مجھے
۱۵- خور سے بلی بھر دیکھا اس کو
۱۶- منزل کے ساتھ ساتھ وہی راستے بھی ہوں
۱۷- سفارش (نظم)
۱۸- اب تو وہ بھی کھو یا کھو رہتا ہے
۱۹- صرف اس کو دیکھنے کی آرزو
۲۰- تباہیوں میں شام کے منظر تراشا
۲۱- کت گئے مجھ سے مرے چاند ترے لوگو
۲۲- مجھے بھول چا (نظم)
۲۳- میں ترا انتظار کرتا ہوں
۲۴- دیمک بن کر چاٹ رہا ہے دل کو اک انجانہ خوف
۲۵- کچھ برسوں سے عید پریشاں کرتی ہے
۲۶- منزل نہ کوئی دوستور شہر دکھائی دے
۲۷- اندھے رستے (نظم)
۲۸- اس کی نفرت تو جنم دیتی رہی صدمات کو
۲۹- ساری دنیا سے چھپ چھپا کے آ
۳۰- میں کتنا مطمئن بیٹھا ہوا تھا
۳۱- اسے کیوں روکنا جانے سے پہلے
۳۲- آنسو (نظم)

- ۵۲- کچھ اپنے بارے میں
۵۳- یوسف خورشید... خورشید عالم گوہر نظم
۱- اسی کی آنکھوں میں پیار کم ہے
۲- مری آنکھوں میں کھو کر رہ گیا ہے
۳- مجھے اس کے ہزار ہائیں ہیں
۴- اپنے وجود سے کبھی باہر نکل کے آ
۵- خوف (نظم)
۶- ناکامی (نظم)
۷- مجبوری (نظم)
۸- برف لوگوں نے جو ہاتھوں پہ اٹھائے سورج
۹- اس سے رشتہ ہے مگر بس نام کا
۱۰- محبت کی نشانی دے گیا ہے

- ۵۵- نمایاں فرق (نظم)
۵۶- بھولی بھالی خواہش اس کی بھولی بھالی مجبوری
۵۷- اب اسے پانے کی خواہش مرچکی ہے دوستو
۵۸- میں جس کا ہو گیا تھا وہ میرا نہیں رہا
۵۹- منزلوں تک رسائی ناممکن
۶۰- وہ روشن چوہا رہے گھیاں تیرا گھر
۶۱- میں جس دن اسے تمہارا ہو گیا ہوں
۶۲- اسے پتہ ہے (نظم)
۶۳- ابھی سوں کا اک اور چٹا نکل بغیر کرنا ہے
۶۴- مرے کمرے کی چھت میں ایک چڑیا
۶۵- اسے تو یہ بھی پتہ نہیں ہے (نظم)
۶۶- اس کو دیکھے ہوئے زما نہ ہوا
۶۷- چاگن جیت بہار کی نرت ہے
۶۸- پاگل لڑکی (نظم)
۶۹- بازی جیت کے ہاری میں نے
۷۰- کبھی لوٹا تو یہ دیکھنا (نظم)
۷۱- حامل دانش و دیں بھر منور صدر
۷۲- وہ گیا تو ہے طبیعت میں گرانی شام کو
۷۳- سات پردوں میں چھپا کر دیکھنا

- ۲۲- قاصدوں سے چھین لوں گا منزلوں کی خواہشیں
۳۳- نرم ہنسی پہ ناخوش کا گھر
۳۵- تم جو دات گئے تک بیٹھے رہتے ہو
۳۶- سناؤں کا شور مجھے بھر ڈستا ہے
۳۷- عید کا چاند
۳۸- سارا دن وہ کیوں نہ آیا اس سے پوچھا جاسکتا ہے
۳۹- میرے گھر بھی اترے چاند
۴۰- نفرتوں کو بھول جانا چاہیے
۴۱- آوازوں کے جنگل میں چپ رہنے دے
۴۲- نپہر چڑ (نظم)
۴۳- جبکہ اس کے شہر کے اندر کعبہ ہے
۴۴- کتنی خود غرضی سے اس نے مجھ کو تنہا کر دیا
۴۵- بیٹھ کر دوتا ہوں میں گزرتے سہانے وقت کو
۴۶- دیکھو تو انتظار کا موسم نہیں رہا
۴۷- تھک نہ جانا (نظم)
۴۸- چٹخ آکھیں تو ہیں سناں آنسو
۴۹- دل کے ٹکڑوں کو تھیلی پہ سجائیے تھے
۵۰- میں اور اپنی موت سے کیلیوں تم کو اچھا لگتا ہے
۵۱- میں تجھ سے انتقام بھی لوں گا تو اس طرح
۵۲- اس کے دل میں جو بدگمانی ہے
۵۳- تیری یادیں سوتا گھر ہے اور میں
۵۴- دیکھا اس کے خط کا اک اک لفظ نرالا ہوتا ہے

کچھ اپنے بارے میں

شعر کہنے کا فن میں نہیں جانتا مگر سینے کے اندر جو کچھ کہنے والے دل کی جب دھڑکنیں تیز ہوتی ہیں تو ایک شور مارتا ہے اور جب وہ شور اک صدا کا روپ دھار لیتا ہے تو میں اس صدا کو الفاظ میں قید کرنے کی سعی کرتا ہوں۔ کالج کے زمانہ سے لے کر آج تک جتنی صدائیں قید کی ہیں وہ آپ کی صدا میں پیش کر رہا ہوں جو بھی فیصلہ آپ کریں گے، سر تسلیم خم ہوگا۔

کسی کی آنکھوں کے دیکھے جانے والے خواب جب چھپتا پھرتا ہوئے تو زنجی دل سے رسنے والا خون میری آنکھوں سے بہہ نکلتا تو پھر آنکھیں بے نور ہو گئیں آنکھوں میں دیرانی کے سوا کچھ بھی تو نہیں بچا آنکھوں کی دیرانی کا مشاہدہ جب اپنے آئین سے کیا تو دونوں کا تعلق ایک ہی قبیضے سے نکلا پھر یہ فیصلہ کیا کہ آپ کو اپنے بچوں میں شریک کر دوں تاکہ میرا بوجھ ہلکا ہو سکے ابھی اس فیصلے پر عملدرآمد نہیں ہوا تھا کہ قدرت نے میرے اکلوتے جواں سال بھائی عزیزم فرخ محمود گوندل کو مجھ سے جھین لیا۔ فرخ کی موت نے مجھے بار بار اب میں خود کوٹ چکا تھا مجھ سے اپنے گھر کے آنکھیں کھٹکے ہو پارہے تھے کہ خود شید عالم گوہر قلم، فہیم الحق گوندل، طارق احمد شفیقت رشید اور پروفیسر عبداللہ عابد جیسے شخصوں نے زندگی کی ڈھلوان بندھائی اور پھر مجھے اپنے اندر زندگی دلائی ہوئی محسوس ہوئی اور ایک بار پھر نکھرے ہوئے کاغذ اور ڈائریاں آنکھیں کھیں اور محترم شعیب احمد (رہسرخ) قیسر کباب گھرا ہوا (سے مشورہ کیا چونکہ ابتدائی اصلاح بھی پروفیسر ذاکر حسین افغانی اور شعیب احمد ہی سے لی تھی) محسن افغانی صاحب فرماتے ہیں کہ وہ جو کام بھی شعیب احمد کے ذمہ لگا دیتے ہیں پھر انہیں پورا یقین ہو جاتا ہے کہ اب یہ کام خود انہی کو کرنا ہے مگر قیاس ہے کہ میرے ساتھ یہ واقعہ پورا نہیں ہو سکا دھوا ہوا اور آدھا خود محسن افغانی صاحب نے کیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر پروفیسر صفدر علی چوہدری صاحب نہ ہوتے تو میں آج ان پڑھ ہوتا۔ کلہا جماعت سے لے کر بارہوی تک محترم پروفیسر صفدر علی چوہدری صاحب نے اپنے گھر میں بیٹوں کی طرح میری تربیت کی۔ ایف اے سے بی اے تک میں گورنمنٹ کالج جوہاڑ ضلع خوشاب میں زیر تعلیم رہا کالج پڑائیں پروفیسر سید انصاف شاہ اور پروفیسر ربیع مظفر حسن منصور نے ادبی سرگرمیوں میں میری رہنمائی فرمائی۔ کالج کی اردو مجلس میں دو سال جنرل سیکرٹری اور ایک سال بحیثیت صدر فرائض انجام دیے۔ کالج کے آخری سال ۱۹۸۷ء میں

ادبی خدمات کے صلہ میں اسلامک کچنرل کونسل پاکستان کی طرف سے گولڈ میڈل اور خصوصی ادبی ایوارڈ ملا۔ علمی ادبی اور ثقافتی تنظیم انجمن روضہ پاکستان سرگودھا ڈویژن کے صدر کی حیثیت سے کئی سالوں سے کام کر رہا ہوں۔ بزم نگاروں خوشاب سے میں نے بہت کچھ سیکھا۔ خوشاب کے شہر اختر افغانی، فاروق گوہری، راجہ گل حسن بدو، راجہ اعظم حسن ندیم، ذاکر سید محمد اسلمین شاہ، ذوالفقار شمس جیسے صاحب فہم لوگوں کی قربت نے میرا شعری ذوق اجاگر کیا۔ یوسف ساجد ملازم حسین عابد اسحاق ندیم، یوسف آزاد، جاوید اعوان، احمد شیر ناچ، مہدی حسن شاہ اور ملک محمد رفیق ننگر پال اور فیاض زرگر کا میں بے حد ممنون و مشکور ہوں۔ اہل خوشاب نے مجھے ہمت دی، حوصلہ دیا، محبت دی پیار دیا، مجھے یقین ہے کہ یہ شعر میں نے خوشاب ہی کے لیے کہا تھا۔

موت اس کے ہی شہر میں آئے

میرے حق میں یہی دعا کرنا

اور یہ شعر بھی خوشاب کے لیے ہی ہے۔

جی پھلتا ہے لوٹ آؤں پھر

شہر خوش آب تو بھی کیا شے ہے

خوشاب کے لیے اگر یہ کہوں کہ:

میں تجھے اور کچھ بھی تو دے نہیں سکتا

مگر ترے نام اسباب کر دی ہے

تو پھر بھی شاید اس کا حق ادا نہ کر سکوں۔

یہاں محترم عطاء اللہ علی خیلوی کا شعر ہے اور اگر نہ ضروری سمجھتا ہوں۔ میں نے ان کی گائیکی سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ ان کی گائیکی کا دور میری شاعری میں آپ کو محسوس ہوگا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب میں زندگی سے ہاپس ہو کر موت کو گھمے لگا لیتا تھا تھا تو اس وقت ملک کے نامور مصنف ڈرامہ نگار ادیب کالم نگار اور خطاط عالم اسلام جتاپ خورشید عالم گوہر قلم نے مجھے گئے گئے لیا۔ اپنے ساتھ لاہور لے گئے اور میرے ہاتھ میں ایک بار پھر قلم تھما دیا ہاں میں نے محترم اہل بیت صاحب کے ہفت روزہ اخبار ”رنگار جہاں“ سے کالم نگاری شروع کی۔ پھر سرگودھا آیا جہاں محترم فہیم اختر خان چٹف

ایک نظر روزنامہ ضرورت، خبریں اور چیف ایڈیٹر روزنامہ شام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کمال مہربانی سے اپنے اخبارات کے صفحات میرے لیے وقف کر دیے اور میں مستقل کالم نگار رہا جو پورے جاری ہیں۔ میں فہیم اختر خان صاحب کا نہایت مشکور ہوں۔

یہ کتب خورشید عالم گوہر قلم اور محترم مولیٰ حسن شیخ کی محنت سے آج آپ کے ہاتھ میں ہے، خود شید عالم گوہر قلم کے ہمدرد یہ کتاب کبھی مکمل نہ ہوئی۔ جناب سید آفتاب احمد شاہ صاحب اور سرور ناصر اللہ خان تھرمین کا بے حد مشکور ہوں کہ انہوں نے کتاب میں معاونت فرمائی۔ مجھے انہی کی دیکھ ہے کہ محترم سید علی الدین تھرمین (مرحوم) جو میری کتاب کے چھپنے کے سب سے زیادہ خواہشمند تھے مگر وہ کتاب اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکے۔ خدا کی محفرت کرے۔ (آمین)

یہاں محمد ظریف اچھ، طارق محمود بلوچ اور اسد اعوان کا ذکر نہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے میں نے آج تک کوئی شعر نہیں کہا۔ یہ تینوں دوست شروع سے آج تک غزل کے قائلے کی طرح میرے ساتھ شعری سفر میں چلے رہے۔ کتاب کی ترتیب سے لے کر طبعیت تک میری رہنمائی فرمائی۔ انتساب اگر محترم گل فراز احمد کے غلوں کے نام کیا جائے تو بھی شاید جن ادا نہ ہو سکے جس محبت اور لگن سے گل فراز احمد صاحب نے اس کتاب کا مسودہ اپنے ہاتھ لیا اور اس کی طبعیت کی۔ وہ ان کی مجھ سے اور ادب سے محبت کا واضح ثبوت ہے، لہذا ان کا شکریہ ادا کرنا مجھ پر واجب ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ کیوزنگ کے بغیر کتاب مکمل نہیں ہوتی۔ یہ اہم ترین کام عزیزان محترم ناصر محمود رضا اور چوہدری شاکست علی نے انجام دیا۔ میں ان دونوں کا اس محبت اور لگن پر انہیں مبارکباد کے ساتھ شہرے ادا کر ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ انہوں نے بارش کے پہلے قطرے کا کام کیا ہے اس کے علاوہ جن دوستوں نے میرے ساتھ تعاون کیا۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ جناب رفاقت محمود گوندل، عزیزم محمد ریاض ساجد، ناصر پرنس، ضیاء الدین، سہیل احمد گوندل، فہیم انصاری، محمد اسم انصاری، ملک محمد حنیف منور، جناب ناصر محمود بلوچ، سید ناصر محمود بلوچ، خالد محمود سیال، ملتان، حاجی مظفر علی خان بلوچ، عبدالرسول، حیات، مہدی، حکیم جاوید طاہر، صابر اعوان، سداؤ اسلم، فرات، حبیب خان، مصلوٹ، اہمتر شامی، عدیم احمد، والایت احمد فاروقی، چوہدری افتخار گوندل، چوہدری حسین احمد گوندل اور براہم طفیل احمد گوندل جو ہمیشہ میرے ساتھ شعری سفر میں شامل رہے۔ ان کا شکریہ لازم ہے۔ منڈی بہاؤ الدین کے م ت کیوں یا فاروقیہ کے اقبال ندیم بہرگودھا کے اخلاق عاطف ہوں یا پرمانہ

شاہ چوہدری ریاض ساجد یوں یا فہیم الدین عظیمی یا آصف داؤد۔ یہ سبھی وہ لوگ ہیں جن کا میں احترام کرتا ہوں۔ ان لوگوں کا بالکل شکریہ ادا نہیں کرنا چاہتا تھا مگر مجھ پر یہ تھی کہ ان کے ذکر کے بغیر دیکھنا مکمل نہ ہو پاتا۔ اور پروفیسر ہادون الرشید محترم صاحب میرے استاد ہیں۔ میں نے ان سے نہ صرف پڑھا، بلکہ بہت کچھ سیکھا بھی ہے۔

شعری دنیا کے علاوہ ایک زندگی ہوتی ہے جو بھی ہوتی ہے اور میری نئی زندگی ہمیشہ مشکلات اور مسائل کا شکار رہی مگر پھر بھی خدا کا شکر گزار ہوں کہ جس نے مجھے بہت سے محسن دیے۔ والد محترم جناب چوہدری بولا بخش گوندل (مرحوم) کی وفات کے بعد میں سمجھا تھا کہ شاید اب تنہا نہ سکوں مگر چچا جان چوہدری اللہ بخش صاحب نے والد کی کمی کو بہت حد تک پورا کیا۔ کوٹ ایمر ضلع سرگودھا سے حاجی احمد حسین، خان، یونس سیال شریف سے صاحبزادہ عظام نصیر الدین سیالوی (مرحوم) بھتیجہ، چوہدری محمد فیاض الدین سیالوی اور کاڈر پال سے ملک سکندر حیات نسوآشب یہ وہ ہستیاں ہیں جن کا احترام مجھ پر واجب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مجھے کبھی بھی یہ احساس تک نہیں ہونے دیا کہ میں تنہا ہوں۔ میری دعا ہے کہ ان کا دست شفقت ہمیشہ میرے سر پر قائم رہے۔ مانا جان محترم محمد امین صاحب اور چچا محمد اقبال کا شکریہ بھی ضروری ہے۔

کتاب طبعیت کے آخری سرے میں تھی کہ مجھے شدید ہارٹ ایکٹ ہوا۔ ذمہ دہت کی امید بہت کم تھی مگر جب خدا کی ذات زندگی عطا کرنے کا ارادہ فرماتے تو پھر ذاکر شاہ اللہ شاہ اور ذاکر محمد اقبال کو کھڑے جیسے محسن کی جاکر کرتے ہیں جن کی وہاں دعا سے صحت لوٹ آتی ہے۔

جناب محترم میں نے اپنے جذبات آپ تک پہنچا دیے ہیں۔ میں کہاں تک کامیاب رہا۔ یہ آپ کتاب پڑھ کر بتا سکتے ہیں۔ یقیناً بہت سی غلطیاں ہوں گی مگر امید ہے میری پہلی کوشش کچھ کر دے گا فرمائیں گے۔ آپ یہ کتاب پڑھ کر اپنی قیمتی آراء سے ضرور نوازیں۔

آپ کا اپنا

یوسف خورشید

بمقام شریفہ ڈاکا نہ وجہ ضلع سرگودھا

Yousuf_Khurshid@Yahoo
Yousuf_Khurshid@hotmail.com

یوسف خورشید..... خورشید عالم گوہر قلم

(صدائتی محمد حسن کارکردگی)

علم ادب اور فن خواہ کوئی بھی ہو یہ کبھی کسی کی میراث نہیں رہے اور کوئی بھی فرد نہ ہی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ ان صفات میں سے کسی ایک پر بھی اس کی اجارہ داری قائم ہے قدرت کا اپنا ایک ایسا نظام ہے کہ انسانی عقل کبھی بھی اس کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کر سکتی۔ عام طور پر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک گھرانہ بالکل جاہل دن بڑھ اور متوار ہوتا ہے لیکن اس گھر میں ساکندران اہل علم اہل بصیرت اور اہل فن پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک عزت و توقیر اور علم والے گھر میں جاہل 'بزم' کند زمین اور منتشر زمین پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ خالق کی اپنی عطا ہے کہ وہ جس پر اپنے کرم کرے اور نواز دے اور جس کو چاہے خیر کر دے کوئی بھی شخص یہ اعتراض کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے کہ ایسا کیوں ہوا اور انسانوں کی گردہ بندی جو ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے ہوتی ہے ایک حاصل کوشش اور وقت کے خیاب کے سوا کوئی دوسرا پہلو اس میں نظر نہیں آتا کیونکہ قدرت کے نظام میں فکر لینا کسی بھی انسان کے بس میں نہیں ہوتا جس نے اپنے ذاتی تجربے اور مشاہدے میں دیکھا کہ بڑے بڑے شہروں میں موجود بڑے بڑے نام قدرت کی عطا ہے باعث ہیں ورنہ اگر وہ سوچیں کہ بے شمار لوگوں میں صرف وہی کیوں مشہور ہیں تو انہیں معلوم ہوگا اور احساس ہوگا کہ ان کے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ ہاں صرف اور صرف اللہ کے کرم کے باعث وہاں میسر آتے گئے اور اپنی اپنی سمتوں میں وہ نامور ہوتے چلے گئے۔ ان کے نامور ہونے یا نہ ہونے سے قدرت کے نظام میں نہ کوئی تبدیلی آتی ہے اور نہ کوئی خلل راقع ہوتا ہے اور آخر میں انسان اپنے قد و قامت میں کبھی دیکھتا ہے کہ وہ کل بھی خالی ہاتھ تھا اور آج بھی خالی ہاتھ ہے اور وہی نظر نہ آنے والا دست کرم اس وقت بھی اس کا مددگار تھا اور آج بھی جب یہ بات طے ہو گئی تو بحث ہی سرے سے ختم ہو گئی کہ کون چھوٹا ہے اور کون بڑا۔ بس زندگی کا دھارا رواں دواں ہے اور کوئی نہیں کر سکتا کہ فلاں اپنے فن میں علم میں یا ادب میں حتمی حیثیت رکھتا تھا بالکل دریا کی طرح کہ

ہر سال آنے والی طغیانی میں سیلاب کے ریلوں میں شدت خوف اور فطری بھاؤ دہی ہوتا ہے کوئی نہیں کر سکتا کہ ایک ہزار سال پہلے طغیانی کی شدت اس سے زیادہ تھی یا کم یا آئندہ ایک ہزار سال بعد آنے والی طغیانی میں شدت کم ہوگی یا زیادہ۔

اب اس تفصیل کے بعد میرا موضوع یوسف خورشید ہے ہم یہ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں کہ مرزا غالب 'میر تقی میر' میر درد اور میر انیس کے جذبہ میں شدت زیادہ تھی اور یوسف خورشید میں کم ہے یا یوسف خورشید میں زیادہ ہے اور ان میں کم تھی۔ سب اپنے اپنے جذبات کو الفاظ کے خصوصیات میں ادا کرتے رہے کسی کی بات کسی دوسرے کی سمجھ میں آگئی تو اس نے اسے اپنا تر جمان کہہ لیا اور اگر کسی کو وہ قائل نہ کر سکی تو اس نے اسے قائل توجہ نہ سمجھا مگر بڑے اور چھوٹے کی تفریق کے بغیر جذبیوں کی شدت اور اداسگی کے انداز میں اپنا اپنا رنگ موجود ہے ماضی بعید کے شعراء ہوں یا ماضی قریب کے حال کے شعراء ہوں یا مستقبل کے کسی کے بارے میں مجموعی حتمی رائے دینے کے لیے غلو قوت میں سے کوئی مستند پوزیشن میں نہیں اور کسی ایک کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھ کر دوسروں کی کاوش جذبات اور محسوسات کو تسلیم نہ کرنے بھی ایک طرح سے جرم ہے۔ اگر کوئی گلاب کو پسند کرے تو کوئی جہ نہیں کہ وہ موتیا کی خوشبو کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے اور اگر کوئی موتیا کو پسند کرے تو کوئی گلاب کی اہمیت کا انکار بھی جرم ہے یہ اپنے اپنے رنگ اپنے اپنے انداز اپنے اپنے صوتی و بھائیائی نوح ہیں۔

شعراء کی سر زمین سے جنم لینے والا یوسف خورشید بغیر کسی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کے شاعر بن گیا بالکل اسی طرح جیسے ریگستان میں کوئی پھول بغیر پانی اور جملہ آسائشوں کے دن کی شدید ترین گرمی اور رات کی برف سردی کو برداشت کرتے کرتے بالآخر قوت ارادی اور خدا داد صلاحیتوں سے مکمل اظہار اور ریگستان میں زندگی کا احساس اب گر ہو جاتا ہے۔ یوسف خود خدے سنگھار سر زمین سے ڈٹی دل و لہجہ کے ساتھ جس خوبصورت نقد و نواب کا خواب دیکھا۔ جنگ یہ اس کے دل کی دنیا میں ایک کھلے ہوئے تصوراتی بارش کا عکس خمیر ہے ہیں۔ مجال در عنائی کے مظاہر جہاں ایک طرف انسان کے ارد گرد جا بجا نظر آتے ہیں تو وہاں دوسری طرف انسان کے دل و دماغ میں بھی ایک تصوراتی دنیا آباد ہوتی

کے بغیر حقیقت کا اعتراف اس کی شاعری کے نمایاں پہلو ہیں۔ کالج کے دور سے لے کر آج تک بغیر اس کی کمزوری رہی ہے اس نے داد تحسین سے بے نیاز ہو کر ہر مقام پر در و دل کو عیاں کیا ہے اور یوسف خورشید کی داد داد کا ظلم کا نہیں ہے اور اپنے ان دیکھے محبوب حاصل کرنے کے لیے بے تابانہ دوڑتا جا رہا ہے جس کا اظہار اس نے یوں کیا ہے۔

میں تجھے اور کچھ بھی تو دے نہیں سکتا

میر ترے نام احتساب کر دی ہے

ہو سکتا ہے کہ یوسف خورشید کے دل کی آواز پہلے بخود کام "آئینوں کے اپنے دکھ" کے ذریعے آپ کو بھی بہت کچھ کہہ ڈالے۔ میری دعا ہے کہ صبح کی ہوا جس طرح پھولوں کی ہر شاخ کو ڈھکی کر کے پھول اگاتی ہے یوسف خورشید کا درد بھی قائم رہے اور یہ خوبصورت شعر بنے رہیں۔

خورشید عالم گوہر قلم

لاہور

یوسف خورشید بحیثیت شاعر

یوسف خورشید کی شاعری بے کراں کرب اور احساس رنج کے ساتھ ساتھ لا محدود سچوں کا سند ہے اکثر خاموشی کے منہ جاد میں گمراہ رہتا ہے جب کام کرے تو غزل اور نظم لکھا کی دھڑول میں چھڑی کو گونگ کے درد سے شاہدات رکھتی ہیں۔ یہ حسیم کرنا کسر بیانی نہ ہوگا کہ اس نے "آئینوں کے اپنے دکھ" میں اپنے دکھ کو "آئینوں میں دکھا کر حقیقت رس جذبات کی کوزہ گری کی ہے۔

وہ گمیا تو ہے طبیعت میں مگرانی شام کو

بھج دیتا تھا وہ اکثر اک نشانی شام کو

ہم تو رسوا ہو گئے پر پیار تو زندہ رہا

لوگ چو پالوں پہ کرتے ہیں کہانی شام کو

میرزا رفیع خان نعر

ہے جس کو کوئی دوسرا نہیں دیکھ نہیں سکتا صاحب تجھ میں خود ہی اس کی میر کرتا رہتا ہے اور باطن کی یہ میر ظاہری گلستان کی سیر سے زیادہ قوی اور خوبصورت ہوتی ہے اور یوسف خورشید نے ظاہری ظہور سے بچ کر اپنے باطن میں ایک ایسی ہی دنیا آباد کی ہے جس میں وہ اپنے تصوراتی محبوب کو میراں بھی دیکھتا ہے اور بعض دفعہ اس کی بے وفائی سے بچتا بھی ہے لیکن یہ وفاداری اور بے وفائی بالکل نمونہ وہ دیگر تخیلاتی عنصر کی طرح ظاہر میں تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اسے جب ایک تراشیدہ محبوب اور اس کی ادائیں اپنے ارد گرد نظر نہیں آتیں تو وہ چچتا ہے چلاتا ہے "بے تاب دل کے ساتھ خود سے الجھتا ہے اور اس عالم و دشت میں وہ قلم لے کر شکستہ دل کے ساتھ تیز رفتار اور شور شرابے کے ساتھ رواں ندی کی طرح غزل پہ غزل لکھتے چلا جاتا ہے اور خود ایک تصوراتی میر کے ارد گرد پھر لگانا شروع کر دیتا ہے اور یوں گویا ہوتا ہے۔

میں بھی رات بھر کی طرح نیلے میں کالوں زندگی

پھر کسی وارث کے ہاتھوں میر لکھی جائے گی

یوں یوسف خورشید دعا شاعری کا ایک نیا باب لکھنے کے ساتھ ساتھ ایک وارث شاعر کا بھی مظاہر ہے کہ جو اس کی قلمی وارداتوں اور زخمی لکھوں کو ایک نئی میر وارث میں ترتیب دے اور جب اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ شاید اب ایسا ہو سکتا نہیں تو وہ حالات کو ایک بدلے ہوئے تیور سے دیکھتا ہے اسے بہت جلد اندازہ ہو جاتا ہے کہ باطن کا عکس عالم ظاہری میں تلاش کرنا ممکن نہیں ہے تو پھر اپنی بے بسی کا فوج کو کہتا ہے اور سب کے سامنے اپنی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے منظر رو دیتا ہے۔

چتر کا روپ دھار کے رہ جائے گا جہاں

آنکھیں نہ بھر کسی کی بھی سندر تراشا

یوسف خورشید زندگی کا ایک ایسا دور ہے کہ جس سے کسی طور انکار نہیں ہو سکتا۔ اس نے زندگی میں جو سختیاں برداشت کی ہیں، وہ شاید اس کی تربیت کے لیے ضروری تھیں کیونکہ ریگستان میں کھلنے والا پھول بہر حال دوسرے پھولوں کی نسبت زیادہ حساس کا مستحق ہوتا ہے۔ یوسف خورشید کا رواں انداز سادگی کے ساتھ بے پناہ جذبے کا اظہار اور بناوٹ

ہمیں کہاں اس کی آنکھ پر دسترس رہی ہے
ہمارے اندر کہاں یہ دم ہے یہی تو غم ہے
اسی نے کل بھی مجھے سزاوار لکھ دیا تھا
اسی کے ہاتھوں میں پھر غم ہے یہی تو غم ہے
عشق و مستی میں نام جو معتبر ہوا تھا
سر بھی یوسف اسی کا غم ہے یہی تو غم ہے



اسی کی آنکھوں میں پیار کم ہے یہی تو غم ہے
وہی پریشاں ہے آنکھ نم ہے یہی تو غم ہے
وہی تو ہے جس نے درد بیچے ہیں آنکھوں کو
کمال یہ ہے وہ محترم ہے یہی تو غم ہے

مجھے اس کے بنا رہنا نہیں ہے
مگر اس سے ابھی کہنا نہیں ہے
اسے جو بار تجھے میں دیا تھا
نہ جانے اس نے کیوں پہنا نہیں ہے
بھلا رونا بھی کوئی مشغلہ ہے
غم دل آنکھ سے بہنا نہیں ہے
یہاں بیگانگی ہوتی ہے مجھ کو
مجھے اپنے ہی گھر رہنا نہیں ہے



مری آنکھوں میں کھو کر رہ گیا ہے
مرے اندر کا ہو کر رہ گیا ہے
جو اک ٹھوکر پہ رکھتا تھا جہاں کو
ترے پاؤں کی ٹھوکر رہ گیا ہے
زمانے بھر کو خوشیاں بانٹتا تھا
وہ اشکوں کو پرو کر رہ گیا ہے
مری آنکھوں میں جو دریا پڑھا ہے
مرے گھر کو ڈبو کر رہ گیا ہے
سبھی کی آنکھ کا تارا تھا یوسف
تجھی کا آج ہو کر رہ گیا ہے



پنے وجود سے کبھی باہر نکل کے آ
باہر کو آ رہا ہے تو تھوڑا سنبھل کے آ

کتنا سکوت چھانے لگا کائنات پر
چپ کا لباس آج تو اسے جاں بدل کے آ

نفرت کا طوق پھینکنا ہے اب اندر کر
آنا ہے پھر تو پیار کے سانچے میں دھن کے آ

آسان راستوں سے تو منزل نہ مل سکی
دشوار جو لگیں انہی رستوں پہ چل کے آ

سورج بھی ایک عمر سے جلتا ہے دھوپ میں
اسے چاند تو بھی چاندنی کی لویں جل کے آ

﴿خوف﴾

اک طوطے کے تراور مادہ دونوں بچے

بوڑھے آم کی بل کے اندر

تنبہ بیٹھے

جانے کیا کچھ سوچ رہے تھے

اک انجان خوف تھا جو کہ

ان کے دل کو اندر اندر

دیمک بن کر

چاٹ رہا تھا

آنے والی قید سے پہلے

﴿ناکامی﴾

میں نے آسائشوں کا

گلا گھونٹ کر

اپنی بے بس

محبت کا خوں کر دیا

صرف تیرے لیے

﴿مجبوری﴾

مٹے

لکھنا نہیں آتا

اسے

پڑھنا نہیں آتا



برف لوگوں نے جو ہاتھوں پہ اٹھائے سورج
 پھر بہت دور سمندر نے چھپائے سورج
 اس نے اک بار کیا تھا جو اندھیروں کا گلا
 ہم نے تا عمر پھر آنگن میں اگائے سورج
 لوگ کہتے ہیں کہ تب جس بہت ہوتا ہے
 جب بھی ساحل پہ سرشام نہائے سورج
 ہم کو پھر بھول گئے اپنے ہی گھر کے رستے
 جب سے اس چاند نے آنکھوں میں بجائے سورج
 صفحہ خاک پہ کل میں نے اندھیرا لکھا
 اس نے پھر میری ہتھیلی پہ بنائے سورج



اس سے رشتہ ہے مگر بس نام کا
 اس طرح کا رابطہ کس کام کا
 یہ پرندے لوٹتے ہیں کس طرح
 تم نے کب دیکھا ہے منظر شام کا

بچپن میں اس نے اک وعدہ کیا
 آج بھی ہوں منتظر پیغام کا
 آ خریداروں کی بستی کو چلیں
 وقت آ پہنچے مرے نیلام کا
 اس کو محلوں کی ہوا راس آ گئی
 اس کو اندازہ کہاں آلام کا
 چونک اٹھ تھا میں کسی آواز سے
 اک تصور ذہن میں تھا بام کا
 آج بھی وہ پیار سے یوسف کہے
 رقص دیکھو میکدے میں جام کا



محبت کی نشانی دے گیا ہے
 وہ اشکوں کو روانی دے گیا ہے
 مری اس مختصر سی زندگی کو
 بہت لمبی کہانی دے گیا ہے
 تجھی تو نفرتوں کو بانٹتے ہیں
 وہ چاہت کی رانی دے گیا ہے
 کوئی بھی جرم تو ایسا نہیں تھا
 انوکھی موت جانی دے گیا ہے
 سب کوئی نہیں تھا روٹھنے کا
 وہی آہیں یرانی دے گیا ہے

مشورو ضبط کا مجھے دے کر
رو پڑا تھا کھڑے کھڑے کوئی

اس کو اس سے غرض نہیں کچھ بھی
پیار کیسے بھلا کرے کوئی

ذائقہ کچھ لیا جدائی کا
زہر پینے سے کیوں ڈرے کوئی

وہ تو سوہنی کا عشق تھا یوسفؑ
آج گھر میں بھلا مرے کوئی



اس سے پہلے کہ وہ چلا جائے
اس کو جانے سے روک لے کوئی

اس کی آنکھوں میں حرف جھلکے ہیں
میرے ہونٹوں کو لفظ دے کوئی

آئے ٹٹھکتی ہے

تمام دن وہ

پیا سے بھوکے گزارتی ہے

کبھی وہ مشرق کو دیکھتی ہے

کبھی وہ مغرب کو دیکھتی ہے

اب اس کا اترا ہوا سا چہرہ بتا رہا ہے

کہ اس کا ہمارا اس سے شاید بچھڑ گیا ہے

مگر تعجب ہے وہ مجھے کیوں سوال نظروں سے دیکھتی ہے

یہ سین ممکن ہے

میں اچہرہ بھی

غور سے

اس نے

پڑھ لیا ہو



کئی دنوں سے

یہ چھوٹی چڑیا یہ ننھی چڑیا یہ بھولی چڑیا

اُداس چہرہ لیے ہوئے

ایک چھوٹے کیکر کی شان پر

حقیقت منہ چھپانے بھاگتی ہے
 بناوٹ بن سنور کر آگئی ہے
 چلو اب کے برس غیرت اگائیں
 بہت گندم یہاں پہ اگ چکی ہے
 دوپٹہ چھین کر بیٹی کے سر سے
 نئی تہذیب اپنا لی گئی ہے
 زباں اس کی حیا نے چھین لی ہے
 یہ بیٹی اب تحفظ مانگتی ہے



ترے کتے ہمیں اب کاٹتے ہیں
 تجھے اپنی حکومت کی پڑی ہے
 ذرا بنگلوں سے باہر آ کے دیکھو
 یہاں پھر ایک دوشیزہ لنی ہے
 ابھی سودا ہوا دارالاماں کا
 مگر قیمت بہت ہی کم لگی ہے
 وہ اک بچی کا واحد آسرا تھا
 کہ جس کی لاش تھانے سے ملی ہے
 جہاں انصاف منصف پہنچتا ہو
 وہاں دنیا کنارے پر کھڑی ہے
 تجھے یوسف سزا ہو کر رہے گی
 تری تحریر بھی سچ بولتی ہے

پھر کوئی جھوٹی تسلی دے کے بہلاؤ مجھے
 یا انہی طغیانوں میں جا کے چھوڑ آؤ مجھے
 اب بھی کچھ بگڑا نہیں ہے آؤ سمجھوتہ کریں
 تم پہ جو گزری ہے اب تک کچھ تو بتلاؤ مجھے



اب بھی دل تیری گلی میں گھومتا ہے رات دن
 طوق اپنے پیار کا پھر آ کے پہناؤ مجھے
 ہوش میں رہ کے بھلا کیسے کٹے گی زندگی
 ہو سکے تو کچھ پلا کر جان بہکاؤ مجھے
 اب یہی لگتا ہے دونوں بوجھ اک دوجے پہ ہیں
 اب یہی احسان کر دو بھول ہی جاؤ مجھے
 تجھ کو پہروں دیکھ کر بھی تشنگی جاتی نہیں
 اب کسی بھی طور یوسف آ کے اپناؤ مجھے

غور سے پس بھر دیکھا اس کو
پہروں بیٹھ کے سوچا اس کو
وہ دیوی تھی روپ نگر کی
آج ملک پھر پوجا اس کو
کس نے اس سے پیار کیا تھا
کس پگل نے چاہا اس کو
جب اپنی اوقات کو دیکھا
تبنا بیٹھ کے رویا اس کو

کل اس کی تصویر ملی تھی
رات گئے تک چوما اس کو
آنا چاہے میرے گھر تک
کون بتائے رستہ اس کو
وہ بادل میں چاند لگے گی
سوٹ دیا ہے کالا اس کو
توڑ کے رشتہ پہنچتا ہے
کل ہی میں نے دیکھا اس کو
وہ بھی میرا پوچھ رہی تھی
میں نے بھی خط لکھا اس کو

منزل کے ساتھ ساتھ وہی راستے بھی ہوں
اس بے وفا کے ساتھ مرے رابطے بھی ہوں
حالات کھینچ کر ہمیں آئے ہیں اس جگہ
ہم ایک شہر میں رہیں اور فاصلے بھی ہوں
یہ بھی توقعات ہوں وہ لوٹ آئے گا
آنکھوں میں انتظار کے وہ رتجگے بھی ہوں
پل کر جوان ہو گئیں دل میں کدورتیں
نفرت کے ساتھ پیار کے وہ سلسلے بھی ہوں
چہرے پہ دھول پیار میں ان سازشوں کی ہو
اس سے طوں تو پاؤں میں کچھ آبلے بھی ہوں

﴿سفارش﴾

ابھی آج کی بات ہے
کہ مرے شہر کے ایک فٹ پاتھ پر
ایک تھا خوبرو نوجوان جو اکیلا تھا بیٹھا ہوا
اس کے چہرے پہ لمبے سفر کی پڑی دھول تھی
اس کے بکھرے ہوئے بال، اترنا ہوا چہرہ
چلا رہا تھا کہ
اس کی جوان چار بہنیں

اس کی دلیلیز پہ
کب سے ٹٹھی ہوئی رو رہی ہیں
انہیں جسم کو ڈھانپنے کے لئے کچھ میسر نہیں
اور ماں ہے تو برسوں سے بیمار ہے
سر پہ والد کا سایہ بھی باقی نہیں
ساتھ ہی

اس کے دائیں طرف

ایک تھیلے میں کاغذ پڑتے تھے
میں نے دیکھا تو ایم اے کی ڈگری بھی تھی
میں نے پوچھا کہ تم کیوں پریشان ہو
رو کے کہنے لگا

میں نے ایم اے کیا
نوکری کے لئے اب سفارش نہیں
کوئی پیسہ نہیں



اب تو وہ بھی کھویا کھویا رہتا ہے
سب کچھ جیسے لوٹ گیا ہے لگتا ہے
امیدوں کے قبرستان میں رہ کر وہ
خواہش کا اک دیپ جلائے رکھتا ہے

میری یادیں اس کا پہرہ دیتی ہیں
چاند اکیلا جب بھی چھت پر ہوتا ہے
وہ تو اکثر میرے گھر میں ہوتی ہے
تنبہائی سے میرا گہرا رشتہ ہے

ہوگئی کچھ یادیں وابستہ اس سے بھی
رو پڑتا ہوں جب بھی چاند نکلتا ہے

جب بھی قاصد لوٹ کے خالی آ جائے
پانی بن کر آنکھ سے دل بہہ جاتا ہے

دل کہتا ہے عید پہ وہ خط لکھے گا
بھول گیا ہو یہ بھی تو ہو سکتا ہے



صرف اس کو دیکھنے کی آرزو
اب کہاں ہے پوجنے کی آرزو
کب پلٹتا ہے کسی کا بچپن
چاند سے وہ کھیلنے کی آرزو
ہر طرف سے پتھروں کی بارشیں
جب سے کی ہے چاہنے کی آرزو

آجکل پھر بڑھ رہی ہے دوستو
 آنکوں کو توڑنے کی آرزو
 رات بھر سونے نہیں دیتی مجھے
 اس سے رشتہ جوڑنے کی آرزو
 جو تری گلیوں میں کھویا تھا کبھی
 اب وہی دل ڈھونڈنے کی آرزو
 آسمان سے وہ اتر کر دیکھتا
 دل میں ہے دل مانگنے کی آرزو
 لوٹ آئیں پھر وہی راتیں کبھی
 رات بھر وہ جاگنے کی آرزو



غباٹیوں میں شام کے منظر تراشنا
 لفظوں کے اب نہ بیٹھ کے پتھر تراشنا
 محرومیوں کے غول میں لایا ہوں ڈھانپ کر
 یہ سر کہ اس کے واسطے خنجر تراشنا

پتھر کا روپ دھار کے رہ جائے گا جہاں
 آنکھیں نہ پھر کسی کی بھی سندور تراشنا
 اس سے پچھڑ کے ایک ہی تو مشغلہ رہا
 وارفتگی میں شوق میں دلیر تراشنا
 اب میکدے میں بیٹھ کر ہم اور کیا کریں
 مینا تراشنا کبھی ساغر تراشنا



کت گئے مجھ سے مرے چاند ستارے لوگو
 کوئی تو شخص مجھے چھت سے پکارے لوگو
 اس نے سندور کسی اور کی چاہت کا بھرا
 وہ مجھے چھوڑ گیا کس کے سہارے لوگو
 اس کی خوشبو مرے آنگن میں اتر آئی ہے
 اب کوئی آ کے مری زلف سنوارے لوگو
 کتنا دشوار تھا وہ چار مہینوں کا سفر
 کس طرح میں نے وہ دن رات گزارے لوگو
 مجھ کو یہ زعم است بھول کے جی لینا ہے
 مجھ سے پورے نہ ہوئے اس کے خسارے لوگو

مری ہے بسی پہ نہ کھلکھلا
مرا پیار تھا ترے واسطے
مرا پیار ہے ترے واسطے
میں نے پیار کر کے برا کیا
مجھے کیا پتا
میں نے کیا کیا
مری جان میں نے کہا تجھے
مرے حال پر مجھے چھوڑ دے
مرا جرم ہے تو بتا مجھے
کوئی رزم ہے تو دکھا مجھے
مری جان ایسے نفا نہ ہو
میں نے کب کہا مجھے پیار دے
مری زندگی کو سنوار دے
ترے بعد اے مری زندگی

﴿مجھے بھول جا﴾

مجھے قربتوں کی سزا نہ دے
مری چاہتوں کا گلہ نہ کر
مری حسرتوں پہ نہ مسکرا
مری زندگی ترے نام ہے

ترے نام ہے
ترے واسطے سبھی اور لوگ
ہوئے معتبر
تجھے جس نے جو بھی سنا دیا
تو نے ذہن میں وہ بٹھا لیا
مگر اس سے اتنا ہوا کہ پھر
تری سوچ نے
کئی دوسو سوں کو جہنم دیا
انہی دوسو سوں نے تو جان جاں
تری سوچ کے سبھی زاویوں کو بدل دیا
تری منزل میں
مری منزلوں سے الگ نہیں
ترے راستے
مرے راستوں سے جدا نہیں

مجھے زندگی کی طلب نہیں
مرا پیار تیرے گلے میں
کوئی طوق ہے تو اتار دے
بڑے شوق سے
مجھے بھول جا
میرا پیار خدا سے جو بڑھ گیا
مجھے یاد ہے
تو بھی یاد رکھ
میں نے ایک بار تجھے کہا
مرے جسم میں
یہ جو زندگی کی دھماکے
ترے نام ہے
مرے دل میں جتنی بھی دھڑکیں
اور ان کا جتنا بھی شور ہے

ہے شعور تجھ کو ذرا سا بھی تو یہ
مری بے گنہی کو مان لے
ابھی وقت ہے
ابھی سوچ لے
ابھی فیصلہ ترے ہاتھ ہے
مجھے جان و دل سے قبول ہے
ترا فیصلہ
مگر ایک ہے دل ناتواں کی بھی آرزو
مرا پیار مجھ سے نہ پھین لے
اور فاصلوں کی صلیب پر مجھے مت چڑھا
اگر اب بھی تو نہیں مانتا
مری آرزو
مری جستجو
مری زندگی

مری بندگی
بڑے شوق سے
مجھے چھوڑنے سے
میں یہی سمجھتا ہوں گا
کہ
جو نشہ تھا اب وہ اتر گیا
کوئی خواب تھا جو بکھر گیا
کوئی جام تھا جو چھلک گیا
تری زندگی
تری زندگی
تو جس طرح بھی گزار دے
مجھے کوئی تجھ سے گلا نہیں

میں ترا انتظار کرتا ہوں
دیکھ، میں تجھ سے پیار کرتا ہوں
تیری نفرت بھری نگاہوں کو
چاہتوں میں شمار کرتا ہوں
سوچتا ہوں کہ تو مجھے ہمہ دم
جان تجھ پر شمار کرتا ہوں
کہہ رہا تھا سکون ملتا ہے
جب تجھے بیقرار کرتا ہوں
میرا احساس کس کو ہے یوسف
میں کسے اٹکبار کرتا ہوں

دیب تن کر چٹ رہا ہے دل کو اک انجان خوف
پتھر کے بازار میں دیکھے میں نے شیشے جیسے لوگ
ہاتھ میں خالی کا مہ ان کے میں نے کل بھی دیکھا تھا
دھوپ کی چادر سر پر اوڑھے دیکھے چلتے پھرتے لوگ
کڑوی باتیں کرنے والے کاش مجھے کچھ لوگ میں
درگتیا ہے دھوکا دیں گے منہ کے اتنے مینھے لوگ
کس کی مائیں دنیا والو! ہم نے اب پہچان لیا
جتنے روشن چہرے ان کے دل کے اتنے کالے لوگ
تیرا شکوہ لب پہ لاکے موت سے پہلے مر نہ جاؤں
سب ملتے ہیں میرے یوسف تیرے جیسے اچھے لوگ

کچھ برسوں سے عید پریشاں کرتی ہے
اس دن تنہا بیٹھ کے روتا رہتا ہوں

کورا کاغذ لے کر اکثر شام ڈھنے
تیرے نام کے آگے بھی کچھ لکھتا ہوں

تیرے دکھ بھی کتنے میٹھے لگتے ہیں
تیرے غم میں کتنے شوق سے جتا ہوں

پک جاتا ہے غم تو آنسو گرتے ہیں
میں اک سوکھا پیڑ ہوں لیکن پھلتا ہوں

درد کی صورت تیرے دل میں رہتا تھا
پانی بن کر تیری آنکھ سے بہتا ہوں

منزل نہ کوئی دوستو رستہ دکھائی دے
رہبر بھی آج تو مجھے اندھا دکھائی دے

خند ہے کہ چاند روشنی بائنے نہ شہر میں
اور یہ بھی شوق ہے کہ وہ پورا دکھائی دے

حالانکہ ایک پیار کا دریا تھا چار سو
لیکن حدنگاہ پہ صحرا دکھائی دے

اس نے تعلقات کو دی ہے نئی روش
ہر شخص اب تو شہر میں اس کا دکھائی دے

دل کے مکان میں کوئی بھڑا تھا عمر سے
آنسو کے روپ میں کوئی بہتا دکھائی دے

کاہل بھی ہے اور آنکھ میں کچھ رنجگاہ بھی ہے
آنچل بھی اس کا بیج پہ بھیگا دکھائی دے

خود ہی تو ترک دوستی کا فیصلہ کیا
کیوں اٹک تیری آنکھ میں ڈھلتا دکھائی دے

یوسف غزل کو میر کے سانچے میں ڈھال دے
اس کو ہر ایک شعر میں رانجھا دکھائی دے

اندھے رستے

وہ ایک ٹرکی
جو راستے سے بھٹک گئی ہے
اور اس کو منزل نہیں ملی ہے
اور اس کی منزل کو جانے والے

وہ راستے بھی نہیں رہے ہیں
 وہ ایک لڑکی
 کہ جس نے آنکھوں میں
 رنجوں کو جالیا ہے
 وہ جاگتی ہے
 تو اس کی آنکھوں میں
 عکس ہوتا ہے فاصلوں کا
 وہ ایک لڑکی
 جو اپنے اندر سے اٹھنے والی
 کسی بھی خواہش کی
 تہ بن کو جو دیکھتی ہے
 تو سوچتی ہے
 کہ اس کی آنکھوں نے
 جتنے خوابوں کے

زائچے آج تک بنے ہیں
 وہ سب کسی کے لئے بنے ہیں
 وہ ایک لڑکی
 کہ جس نے یہ فیصلہ کیا ہے
 کہ اب وہ مانگے گی
 بھیک منزل کی
 راستوں سے
 نہ اپنی آنکھوں سے
 پھر کسی خواب کی تمنا کیا کرے گی

اس کی نفرت تو جہنم دیتی رہی خدمات کو
 رو دیا سینہ لگا کر میں بھی اس سوغات کو
 چاندنی کی رات بھر گوشیاں مجھ سے رہیں
 چاند تیرے شہر میں اترے گا تنہا رات کو
 آ مری جوں تو مری محرومیاں تسلیم کر
 یوں نہ ہو کہ عمر بھر تر سے تو اک بار رات کو
 پوجتا ہوں میں درود یوار بھی اس شہر کے
 بھول بیٹھا ہے مجھے لگتا ہے ان خدمات کو

وہ بہاے جائے گی لگتا ہے پورے شہر کو
 جانے اب کیا ہو گیا ہے آنکھ کی برسات کو
 اپنے سائے سے لپ کر چیخ رہتا ہوں میں
 اک نظر تو دیکھ آ کر اب مرے حالات کو
 کون بہکا تا ہے اس کو مشوروں کی آڑ میں
 پاتا رہتا ہے اب وہ ذہن میں خدشات کو
 کاہنہ ہونٹوں سے قاصد جو بھی بتائے مجھے
 دل کے کاغذ پر میں لکھتا ہوں اب ان کلمات کو
 اس نے سمجھوتہ غموں سے کر لیا تو کیا ہوا
 تم بھی یوسف اپنے قابو میں رکھو جذبات کو

جو کھولی آنکھ تو کچھ بھی نہیں تھا
مرے پہلو میں تو بیٹا ہوا تھا
میں تجھ سے ہدگماں ہو جاؤں آخر
یہ منصوبہ ترا سوچا ہوا تھا

ذرا اپنے بھی دل سے پوچھ لینا
کوئی کس سے بھلا روٹھا ہوا تھا
میں گئے گفتگو لیکن نہ ہوئی
یہ سب تقدیر کا لکھا ہوا تھا
مری جاں تیری تصویریں کہاں ہیں
ترا وعدہ بھی کیا جھوٹا ہوا تھا



میں کتنا مطمئن بیٹھا ہوا تھا
وہ جب تک میرے گھر ٹھہرا ہوا تھا
مرے دل سے بھی طوفاں اٹھ رہے تھے
ترا چہرہ بھی کل اترا ہوا تھا
کبھی نے مجھ پہ نظریں گاڑ دی تھیں
مرے چہرے پہ کیا لکھا ہوا تھا

مجھے پہلے ہی اس نے کھو دیا تھا
وہ کس سے پوچھتا جانے سے پہلے
جو دل میں اونے کی بات ہوتی
نہ آنچل بھگتا جانے سے پہلے
اگر مان وئی کی شرط ہوتی
گھڑا کیوں ڈوبتا جانے سے پہلے
برا دل ہا اگر ہوتا وہ یوسف
نہ مڑ کر دیکھتا جانے سے پہلے



اسے کیوں روکتا جانے سے پہلے
وہ خواہی سوچتا جانے سے پہلے
کبھی توڑا نہ اس نے خامشی کو
وہ کچھ تو بولتا جانے سے پہلے

﴿آنسو﴾

اسے جب ماں نے پہلی بار مارا تھا
وہ روتی تھی
اسے معلوم ہی کب تھا
وہ کیوں روتی ہے

وہ بچہ جانتی تھی
اس کی آنکھوں میں
اچانک
کس لیے آنسو اٹھتے ہیں
اسے احساس ہی کب تھا
کہ یہ آنسو بہت انمول ہوتے ہیں
اسے جب ماں نے گڑیا دے کے بہا دیا
تو وہ خوش ہو کے
ایسے ہنس پڑی تھی
پھر اس کے بعد برسوں تک
اسے رونا نہیں آیا
گمراہ روز جب موسمِ جواں تھا
ہوا اٹکیسیاں کرنے لگی تھی
بہت سی تھلیاں

پھولوں کی خوشبو اوڑھ رات نے لگی تھیں
تو وہ اس روز پھر روئی
اور اتنی دیر تک روئی
کہ شاید
رات بھر وہ سو نہیں پائی
اسے معلوم ہی کب تھا کہ
رونے سے بھی یوں تسکین ملتی تھی
اسے بس یہ تعجب تھا
کہ اس کی غیند میں ایسا خلل کیوں ہے
اسے رونے سے فرصت کیوں نہیں ملتی
اسے یہ بھی تعجب تھا
وہ
اپنے گھر کا دروازہ
کھلا کیوں چھوڑ دیتی ہے

وہ یہ بھی سوچتی تھی
جب کوئی باہر گلی میں سے گزرتا ہے
تو اس کا دل بہت سے چین ہوتا ہے
گمراہ روز
اک بچے نے چپکے سے
اسے اک پھول دے کر یہ کہا تھا
"یہ میرا ہے۔ بھیا نے بھیجا ہے"
وہ ایسا پھول تھا جس کی مہک اس کی رگوں میں بھی
سرایت کر گئی تھی
اور اس کی روح بھی جیسے معطر ہو گئی تھی
اسے وہ پھول کی پتی پہ لکھا عبد نامہ
یاد آتا تھا
کہ میں تیرا ہوں تو میرے لیے ہے
یہ وہ ان تھا

کہ جب وہ کھٹکھٹا کے بس پڑی تھی
پھر اس کے بعد برسوں تک اسے رونا نہیں آیا
یہ عقدہ آج اس پر کھل گیا ہے
بہی وہ شخص ہے ایسا
جو اس کی آنکھ کے رستے سے
چپکے سے
اتر کر

اس کے دل میں

چھپ کے بیٹھا ہے

اسے معلوم ہی کب تھا

کہ وہ بھی پیار کرتی ہے

کسی کے دل میں چپکے سے

اتر کر وہ بھی بیٹھی ہے



فاصلوں سے چھین لوں گا منزلوں کی خواہشیں
کون واپس لائے اس سے قربتوں کی خواہشیں
صرف اس سے یہ کہو کہ فیصلہ جلدی کرے
اس طرح پوری نہیں ہوں گی دلوں کی خواہشیں

میری آنکھوں سے نکل کر اس کا چہرہ چوم لیں
ننگھی مٹی اس قدر ہیں آنسوؤں کی خواہشیں

میں تجاؤز کر گیا تھا دوستو اوقات سے
ذہن میں ابھی رہیں کچھ رابطوں کی خواہشیں

میرا اس سے رابطہ ممکن نہیں ہے دوستو
آج پوری ہو رہی ہیں دوستوں کی خواہشیں

ہو سکے تو اس کے دل میں اک پناہ گاہ ڈھونڈیں
کس قدر معصوم ہیں ان بگروں کی خواہشیں

ذوق کشتی کو وہ دیں گے سہارا یا نہیں
نیول نہ پیسٹ پوچھ لیں ہم ساحلوں کی خواہشیں



نرم مٹی پہ فاختہ کا گھر
تیز آندھی کا بجیوں کا ڈر

تاج پہنائے جھوٹ کو ہم نے
جھٹک گیا ہے صداقتوں کا سر

ہم نے اپنی انا کو بچا ہے
جب سے پوجا ہے ظالموں کا در

ایک مفلس نے بیچ دی لڑکی
اس کا دامن تھا آنسوؤں سے تر

اب غریبوں کے خون سے یوسف
جگمگاتے ہیں زاہدوں کے گھر



تم جو رات گئے تک بیٹھے رہتے ہو
تہائی میں خود سے تم کیا کہتے ہو
کیا رکھا ہے اس ویران حویلی میں
بوڑھے پیر کے اوپر تم کیا لکھتے ہو
نہر کنارے اکثر تم کو دیکھا ہے
اس بستی میں تم کیا لینے جاتے ہو
اس سے پوچھو جس نے پیار بھلایا ہے
دنیا والو مجھ کو کیا سمجھاتے ہو
میں جوگی، بخارہ، سادھو جو بھی ہوں
تم تو خوش ہو اپنی دھن میں رہتے ہو

میں کاغذ کی بیڑی لے کر آیا ہوں
تم دریا ہو دریا جیسے بستے ہو
وہ ظالم تو کب کا شہر بھی چھوڑ گیا
کون ہے چھت کے اوپر کس کو تکتے ہو
کون سا ایسا روگ ہے بولو بات کرو
گھن کی صورت خود کو کھاتے جاتے ہو
مجھ کو یہ محسوس ہوا ہے جیسے تم
اکثر مجھ سے اپنا پیار چھپاتے ہو
کوئی آخر بات ہے پنہاں یوسف جی
ایک گلی میں دن بھر چلتے رہتے ہو



سناٹوں کا شور مجھے پھر دستا ہے
لوٹ کے آیا پھر موسم تہائی کا
یاد ہیں مجھ کو تیرے گھر کے سب رستے
روک رہا ہے ذر تیری رسوائی کا
میرے پیار کے اس دریا میں ڈوب کے دیکھ
پھر اندازہ ہو تجھ کو گہرائی کا
مجھ کو روتا دیکھ رہے تھے کافی لوگ
میں نے جب کل خط دیکھا برجائی کا
جس دن سے وہ یوسف تہا چھوڑ گیا
آنکھ کے اندر سے موسم جولائی کا

﴿عید کا چاند﴾

ایک مہینہ

وہ میرے مہمان رہے تھے
آج انہیں رخصت ہونا تھا
میں نے بھی یہ سن رکھا تھا
ان مہمانوں کی خدمت سے

اتنی برکت ہوتی ہے کہ
اپنے رب سے جو بھی مانگیں
وہ ملتا ہے
جتنی خدمت ہو سکتی تھی
وہ سب کی تھی
میں نے اس امید پہ رب سے
ہاتھ اٹھا کر
جو بھی خواہش تھی وہ مانگا
میں نے یہ بھی سن رکھا تھا
آج کی شام کو
اپنے گھر کی چھت پر چڑھ کر
چاند کو دیکھا جاتا ہے
میں بھی اپنے دل کے اندر
اک ننھی امید کو لے کر

اس کے شہر کو چل نکلا تھا
سب لوگوں نے
اپنے اپنے گھر کی چھت سے
اپنے اپنے چاند کو دیکھا
لیکن میں مایوس کھڑا تھا
یوں لگتا تھا
جو بھی دعائیں
میں نے مانگیں
عرش سے واپس لوٹ آئی تھیں
قدرت کو منظور یہی تھا
اس نے اپنا چاند نہ دیکھا
میں نے اپنا چاند نہ دیکھا

سارا دن وہ کیوں نہ آیا اس سے پوچھا جاسکتا ہے
گھر والوں کا ڈر ہو اس کو یہ بھی سوچا جاسکتا ہے
گھٹن میں جب سیر کو نکلیں رنگوں کی مہکار ملے گی
پھر جو من کو بھا جائے اس پھول کو توڑا جاسکتا ہے
یہ تو ممکن ہو سکتا ہے اپنے گھر کو چھوڑ آؤں میں
جس ہستی میں وہ رہتے ہوں کیسے چھوڑا جاسکتا ہے
اک دن میرے گھر نہ آیا سارا دن برسا آنکھوں سے
اتنی شدت ہو تو پیارے کیسے روٹھا جاسکتا ہے
مجھ سے کوسوں دور ہوا ہے وہ جو دل کے اندر ہے
اس کی یاد میں تنہا یوسف شب بھر تڑپا جاسکتا ہے

میرے گھر بھی اترے چاند
اب تو آ جا میرے چاند
وہ سردی میں کانپ رہا ہے
یوں نہ شب بھر تڑپے چاند
مانا وہ مصروف بہت ہے
پل دو پل تو تھہرے چاند
ڈنکی ہیں اب کالی راتیں
اب نہ مجھ سے روٹھے چاند
وہ بھی روتے دیکھے یوسف
جن کے پاس ہیں اپنے چاند

اس طرح تو بات بڑھتی جائے گی
اب تو اس کو مان جانا چاہیے
جب پکارا وہ یقیناً آئے گا
اس کو تھوڑا سا بہانا چاہیے
وہ گیا تو لوٹ کر آیا نہیں
اس کو اپنے گھر بلانا چاہیے
مار دے گی مجھ کو تیری خامشی
تجھ کو تھوڑا مسکراتا چاہیے
میں نے جس میں گھر بنایا تھا کبھی
مجھ کو تیرا دل پرانا چاہیے
وہ اکیلا کر گیا ہے دوستو
بوریا بستر اٹھانا چاہیے



نفرتوں کو بھول جانا چاہیے
پیار ہم کو بھی بھانا چاہیے
ایک مدت ہو گئی پچھڑے ہوئے
اب تو اس کو لوٹ آنا چاہیے

آوازوں کے جنگل میں چپ رہنے دے
خاموشی کے صدمے مجھ کو سننے دے
انجانے میں کاٹ رہا ہے سب جنگل
دھوپ کڑی ہے کچھ تو سایہ رہنے دے

وہ خفا ہے کیا خطا مجھ سے ہوئی
اس کو اتنا تو بتانا چاہیے
آگ جنگل میں لگی ہے اس لئے
فاختہ کو بھی اڑانا چاہیے
وہ نہ رسوا ہو کہیں میری طرح
پیار کو اب تو چھپانا چاہیے
نیند بھی یوسف مجھے آتی نہیں
خواب بھی لیکن سہانا چاہیے



دریاؤں پہ پستے باندھے جاتے ہیں
یہ آنکھیں ہیں بہتی ہیں تو بنے دے
کیا ملتا ہے تجھ کو ننھی جانوں سے
ظالم کوئے! بچے شاخ پہ رہنے دے
ظالم کے درباری سارے جھوٹے ہیں
جگی باتیں مجھ کو کھل کر کہنے دے
میرے لب کھلوا کر تو پچھتائے گا
مجھ کو میرے اندر سما رہنے دے
یہ پاگل دیوانہ یوسف ہے تیرا
من موحی سے جو کہتا ہے کہنے دے

﴿ٹپر پچر﴾

اے مری جان کیا یہ تعجب نہیں
مجھ سے پہلے
تیری آنکھ میں کوئی اتر نہیں
کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہے

جسے دیکھ کر
تیرے چپے قدم ڈمگے گئے
اور پھر سر سے آچل کر گئے لگا
دل دھڑکنے لگا
تو نے خود کو سنبھالا دیا پھر کہا
مجھ کو اس سے ذرا بھی محبت نہیں
ٹھیک ہے وہ سراپا و جاہت سہی
ٹھیک ہے اس کی آنکھوں میں چاہت سہی
یہ بھی سچ ہے کہ اس کی چلتی ہوئی آنکھ میں
ایک جادو بھی ہے
ہاں مگر سنھیاں
کیوں سمجھتی نہیں
اس سے مجھ کو ذرا بھی محبت نہیں
یہ کئی دن سے میں جو کھایا یا تک نہیں

یہ جو تکیے میں سر دے کر لیٹی
ہوئی ہوں کئی روز سے
اور چپ چاپ ہوں
بس ذرا سی طبیعت بھی ناساز ہے
یہ تو اسے طبیعت ہی ناسازی ہو گئی
سر میں کچھ درد ہے
جسم پتا ہے..... کچھ ٹپر پچر سا ہے
اور تو کچھ نہیں
تم سمجھتی نہیں ہو
مجھے اس سے کوئی محبت نہیں
بھلا اس سے میں کیوں محبت کروں گی
میں جب رات کو آنکھ اوپر اٹھاؤں
تو تارے گریں نوت کر آسمان سے
میں کا جل لگاؤں

تو پھر دودھ سی چاندنی رات بھی
 اتنی گہری گئے
 ہاتھ پر ہاتھ مارے بھائی نہ دے
 بال کھولوں تو پھر
 ماند پڑ جائے یہ
 کالی کالی گھٹا
 ہاں مرے مسکرانے پہ چاروں طرف
 پھول کھلنے لگیں
 مگر ایک وہ ہے
 جسے میں نے چاہا نہیں ہے
 کئی بار اس نے مجھے دیکھ کر
 اپنی آنکھیں رسالے پہ مرکوز کی ہیں
 میری جان ہوگا
 میں سب ماننا ہوں

تجھے اس سے کوئی محبت نہ ہوگی
 مگر میں تو یہ برملا کہہ رہا ہوں
 تجھے دیکھ کر
 میرے چلتے قدم
 ڈگمگا سے گئے
 دل بھڑکنے لگا
 میں نے خود کو سنبھالا دیا، پھر کہا
 میں نے چاہا ہے تجھ کو دل و جان سے
 درپہر
 اور یہ تپہر پتھر
 تجھے بھی ہوا
 اگر تو میرا ساتھ دے تو
 طبیعت نہ ناساز ہو

جبکہ اس کے شہر کے اندر کعبہ ہے
 دل لگا ہے پتھر پوجے مت روکو
 نفرت کا اظہار کرے تو کرنے دو
 اپنے منہ سے کچھ تو بولے مت روکو
 ٹوٹے رشتے پھر سے جوڑنے آیا ہے
 صبح کا بھٹکا شام کو آئے مت روکو
 چپ کا عادی ذہن بغاوت کرتا ہے
 جب سناٹا شور مچائے مت روکو

اس کو چھو کر آئی ہوگی آنے دو
 خوشبو گر دیوار پھلانگے مت روکو
 جو ہونا ہے وہ تو آخر ہونا ہے
 رسوائی اب ڈھول بجائے مت روکو
 اس کی خواہش مجھ کو جان سے پیاری ہے
 وہ گر میری شام چرائے مت روکو
 صرف مجھے تڑپانا ہے مقصود اسے
 گھر میں آکر لوٹ بھی جائے مت روکو
 کون کہے گا اس کے شہر میں یوسف جی
 یہ میرا دیوانہ آئے مت روکو

تیرے ماتھے پر لکھی ہیں تیری ساری وحشتیں
 کون کہتا ہے تجھے اقرار کرنے کے لیے
 دل کی باتیں کھول کر رکھ دوں گا ان کے سامنے
 وقت دیں گے وہ اگر اظہار کرنے کے لیے
 مجھ سے ترک دوستی کا فیصلہ اچھا نہیں
 کون آئے گا ترا دیدار کرنے کے لیے
 اب کے وہ مہینوال ہے یوسف نہ وہ کچا گھڑا
 اب وہ دریا بھی نہیں ہے پار کرنے کے لیے



کتنی خود غرضی سے اس نے مجھ کو تبا کر دیا
 صرف اپنا راستہ ہموار کرنے کے لیے
 شہر والو پھینک دو پتھر خدا کے واسطے
 اب اسے لاؤ مجھے سنگسار کرنے کے لیے

اس کی آنکھیں چورتھیں دل کو چرا کر لے گئیں
 میں بھلا کیونکر لگا ہوں اب چرانے وقت کو
 وہ ستوا اک بار گزرا وقت کب لوٹا بھلا
 میں کہاں اور کس لئے جاتا بلانے وقت کو
 جو سہانا وقت تھا وہ روٹھ کر چلتا بنا
 اس کی چوکھٹ پر گیا ہوں اب منانے وقت کو
 تو بھی روئے گی لپٹ کر چاندنی سے ایک دن
 رو رہے ہیں جس طرح یوسف زمانے وقت کو



بیٹھ کر رہتا ہوں میں گزرے سہانے وقت کو
 ڈھونڈ کر لاؤں کہاں سے اب پرانے وقت کو
 لوٹ کر آئے نہ اب تک وہ پرانے سلسلے
 دوستو کیا ہو گیا ہے اب نہ جانے وقت کو

حاکم رہے ہیں پیار کی اس سلطنت کے ہم
اب آ کے اقتدار کا موسم نہیں رہا
صحرا میں تیز دھوپ کے پہلو میں بیٹھنا
اب شاخ سایہ دار کا موسم نہیں رہا
کل تک وہ میرے ہاتھ کی ریکھاؤں میں رہا
اب اس پہ اختیار کا موسم نہیں رہا
یوسف اسی کی آنکھ سے پی تو نشہ ملے
بوتل میں اب خمار کا موسم نہیں رہا



دیکھو تو انتظار کا موسم نہیں رہا
آنکھوں پہ اعتبار کا موسم نہیں رہا
ہے اس نگو میں آج بھی خوشبو گلاب کی
حالانکہ اب بہار کا موسم نہیں رہا

جیسے میرے دل کی دھڑکن ٹھہر گئی ہو
جیسے میرے خالی گھر میں اک سنا
صدیوں پہلے
تیری یادیں لے کر آیا
سنا اور یادیں دونوں
یوں لگتا ہے
جیسے اپنے گھر کا رستہ بھول گئے ہیں
تم جس رستے سے بھی چاہو
شوق سے آؤ
سوچ کے آؤ
جب تم اپنے گھر سے باہر
دکھ کی چادر اوڑھ کے نکلو
پھر تم کیسے
اپنے شہر کی دیواروں سے پوچھو گی

﴿تھک نہ جانا﴾

تیرے شہر سے میرے گھر تک
دورستے ہیں
دونوں ہجر کی رات کے جیسے لمبے
دونوں میری آنکھوں جیسے ویراں ویراں
دونوں میرے دل کی مانند اجڑے اجڑے
اور وہ ایسے

وہ رستے

دشوار کٹھن اور کتنے لمبے
ان رستوں پہ کانٹے بھی ہیں
ان رستوں پہ پتھر بھی ہیں
تم اپنے اس پھول بدن کو
تم اپنے اس کانچ بدن کو
گھر سے باہر نہ ہی لانا
خود کو ہرگز نہ بہکانا
ہاں گر تجھ کو شوق چرائے
آنکھیں روئیں دل گھبرائے
سانسوں کی جب لڑیاں ٹوٹیں
وحشت گھر میں گانا گائے
عشق تجھے گر خون رلائے
رسوائی سے خوف نہ آئے

سانس گلے میں اکٹھی جائے
نیند نہ آئے
تو پھر
جانا
اپنے گھر سے
میری ہو کر
شوق سے آنا
بھول نہ جانا
مت گھبرانا
ان راہوں پہ چلتے چلتے
کالی رات کی ناگن تجھ کو
ڈسنے آئے
یا پھر
تیرے اندر سے کوئی

تیرے جیسا

رستے کی دیوار بنے
یادوں کی زنجیر بنے
تو پھر اس سے اتنا کہنا
دریاؤں کا بہتا پانی
منہ سے نکلی بات یہ دونوں
وقت کی مانند ہوتے ہیں
کب وہ لوٹ کے آتے ہیں
ان کو ساری بات بتانا
اور سمجھانا
واپس گھر کو لوٹ نہ جانا
لمبا رستہ دیکھ کے جاناں
تھک نہ جانا

تج آنکھیں تو ہیں سناں آنسو
کیسے ہم پہ ہیں مہریاں آنسو
ہم نے لکھا ہے خون سے نامہ
اپنی آنکھوں میں اب کہاں آنسو

میں بہا دوں گا خون بھی اپنا
تو گرائے جہاں جہاں آنسو
اپنے آنچل پہ اک نظر ڈالو
کتے گہرے ہیں بے نشاں آنسو
تیرے دل کی زبان لگتے ہیں
تیری آنکھوں کے بے زباں آنسو
کیسے ممکن ہے تیری رسوائی
تیرے میرے ہیں راز داں آنسو
بے خطر دوستی کا وعدہ کر
اپنے ہوں گے یہ پاسباں آنسو
جب سے پلے ہیں دوسوے دل میں
اب تو لگتے ہیں ہدگماں آنسو

مجھ کو جینے کی کیا ضرورت ہے
تیری آنکھوں سے ہیں رواں آنسو
تو بصد شوق چھوڑ جا مجھ کو
اب بہائے گا آسماں آنسو
ترک الفت کے بعد اے جاناں
کون روکے گا بے کراں آنسو
یہ بھی یوسف اسی کے جیسے ہیں
بھولے بھالے مگر جواں آنسو

دل کے کلزوں کو ہتھیلی پہ سجا لیتے تھے
وقت پڑنے پہ اسے رو کے مٹا لیتے تھے
جب بھی پیغام کوئی آ کے صبا دیتی تھی
اس کی تصویر کو ہونٹوں سے لگا لیتے تھے
اس سے پہلے کہ کوئی اس کا سراپا دیکھے
ہم اسے چوم کے آنکھوں میں چھپا لیتے تھے

میں اور اپنی موت سے کھیلوں تم کو اچھا لگتا ہے
تیرے بارے اتنا سوچوں تم کو اچھا لگتا ہے
تیرا میرا کیا رشتہ ہے ہم دونوں کیا لگتے ہیں
تم سے اتنا بھی نہ پوچھوں تم کو اچھا لگتا ہے
چاند اگر چھپ کر بھی نکلا سارا عالم دیکھے گا
تم کہتے ہو میں نہ دیکھوں تم کو اچھا لگتا ہے
میری بھی یہ ضد ہے تیری آنکھ میں چھپ کر بیٹھ رہوں
تھیں آنکھ میں کاجل گھولوں تم کو اچھا لگتا ہے
تیرا کیا ہے کب لوٹے گا تو تو دریا پار گیا
میں ساحل پہ ریت سے کھیلوں تم کو اچھا لگتا ہے

میں تجھ سے انتقام بھی لوں گا تو اس طرح
تو جب بھی یاد آئے گی میں بھول جاؤں گا
اے دوست ترک دوستی اپنی جگہ مگر
دیکھے بغیر میں تجھے واپس نہ جاؤں گا

اس کے دل میں جو بدگمانی ہے
دوستو یہ الگ کہانی ہے
بادشاہت تو مفلسی میں ہے
جان دولت تو آنی جانی ہے

مشورہ جب اسی سے کرنا ہے
بات پھر اس سے کیا چھپانی ہے
میرا اس سے نباہ نہیں ہوتا
بس اے بات یہ بتانی ہے
جبکہ وہ بولتا نہیں مجھ سے
اس سے کیا دوستی بھانی ہے
شہر ڈوبے گا پھر سے یوسف جی
اپنی آنکھوں میں پھر سے پانی ہے

تیری یادیں سونا گھر ہے اور میں
رات کا پچھلا پہر ہے اور میں
بڑھ رہی ہیں شام کی پرچھائیاں
ایک آن دیکھا سفر ہے اور میں
اک تسلسل ہے ہوا میں شور کا
ٹوٹا پھوٹا ایک در ہے اور میں
اس نے پھر جاتے ہوئے کچھ نہ کہا
پھر سے اک لمبا سفر ہے اور میں
لوٹ کر آنے کا وعدہ کر گیا
یوسف اس کی رہگزر ہے اور میں



دیکھا! اس کے خط کا اک اک لفظ نرالا ہوتا ہے
 رات اندھیری بھی ہوتی ہے اور اجالا ہوتا ہے
 میں تو اس کو پڑھ لیتا ہوں جب بھی سامنے آتا ہے
 ان آنکھوں کے اندر بھی تو ایک حوالہ ہوتا ہے
 مشکل یہ ہے بات بھی وہ آسانی سے کب سنتا ہے
 ایک انوکھے رنگ میں اس نے خود کو ڈھالا ہوتا ہے
 مجھ کو یوں معلوم نہیں تھا لوگ تو یہ بھی کہتے تھے
 چاہت کرنے والا چہرہ بھولا بھالا ہوتا ہے
 تجھ کو یہ معلوم نہیں تھا یوسف ایسا ہوتا ہے
 روشن چہرے والوں کا تو اندر کالا ہوتا ہے

﴿نمایاں فرق﴾

اس کے گھر اور میرے گھر میں
 کوئی نمایاں فرق نہیں ہے
 پھول درخت اور ننھے پودے
 اس کے گھر کے اندر بھی ہیں
 میرے گھر کے اندر بھی یہ ساری چیزیں
 ایسے ہی ہیں
 اس کے شہر میں جب سہ پہر کا وقت ہوتا ہے
 اس کے گھر موجود درختوں کے اوپر
 بھولی بھالی سی اک کوئل
 اپنے اندر
 سارے درد سیٹے شایہ

اس کے درد بٹانے آ جاتی ہے
 لیکن کیا کہ
 جاتے جاتے
 اپنے بھی دکھ سارے اس کو
 دے جاتی ہے
 پھر وہ اپنا چہرہ ڈھانپے
 دیر تلک یوں روتی ہے
 کہ جیسے اس نے
 مجھ سے مل کر جو باتیں بھی کرنا تھیں
 وہ اس سے نہ ہو پاتی تھیں
 جیسے اس نے آنکھوں سے سب باتیں کی ہوں
 اور زباں سے نہ بولی ہو
 چپ ساوھی ہو
 اب تک ایسے گنگ بیٹھی ہو

اس کے گھر اور میرے گھر میں
 فرق نہیں ہے کوئی بھی
 میرے ساتھ بھی اکثر ایسا ہو جاتا ہے
 کیونکہ میں بھی
 گھر والوں کو
 جان سے پیارا لگتا ہوں
 لیکن یوں بھی
 اس کے گھر
 اور میرے گھر میں
 فرق نمایاں ہوتا ہے
 اور وہ یہ ہے
 اس کے گھر میں
 میں نہیں ہوتا
 میرے گھر میں وہ نہیں ہوتا



۲



بھولی بھالی خواہش اس کی بھولی بھالی مجبوری
چاند پکڑ کر اس تک لانا ایک نرالی مجبوری
اس کا بھی معمول یہی تھا شام سے پہلے رو دینا
نازک ننھی جان پہ اس نے کیسی ڈالی مجبوری

اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونٹوں تک لے آنا ہے
دیکھو پگھلے دل نے اندر کیسی پالی مجبوری
اب وہ جانے کس کی خاطر مجھ سے جان چھڑاتا ہے
اس نے آخر اپنے سر سے آکر ٹالی مجبوری
میرا کیا ہے میں تو اب بھی تنہا رہ کر جی لوں گا
لیکن یہ تو بتلائے کیوں اس نے ڈالی مجبوری
اب تک جو بھی لوگ ملے وہ یوسف مطلب والے تھے
تم بھی اپنے اندر پالو ایک خیالی مجبوری



اب اسے پانے کی خواہش مرچکی ہے دوستو
کون کہتا ہے کہ اس سے دل لگی ہے دوستو
دوستی اس سے کہاں تھی روٹھنے سے پیشتر
ہیکھی اب اس قدر کیوں بڑھ رہی ہے دوستو
شہر چھوڑے جا رہے ہو کب پاپٹ کر آؤ گے
آنسوؤں کو پونچھ کر وہ پوچھتی ہے دوستو

کیا وجہ ہے آج کل خط بھی نہیں لکھتا مجھے
کیا محبت پیارا چاہت ظاہری ہے دوستو
جب بھی اس کا نام آیا آنکھ برسی ٹوٹ کر
کون روکے یہ سمندر عاشقی ہے دوستو
بال کھولے رقص کرتی ہے مرے گھر زندگی
اک کرن اس چاند کی جب جھانکتی ہے دوستو
میں بھلا کس جرم کی پاداش میں زندہ رہوں
زندگی اس کے بنا کیا زندگی ہے دوستو
زندگی اس آنکھ کی محتاج ہو کر رہ گئی
وہ خفا ہو زندگی بھی روٹھتی ہے دوستو
آؤ یوسف کو بھلا اس کی گلی میں لے چلیں
شام کو وہ در سنائے کھولتی ہے دوستو

اس نے تو صرف پیار سے دیکھ نہ تھا مجھے
میں اس کے در کو چوم کے روتا نہیں رہا
گل کر دیے ہیں دوستو گھر کے سبھی چراغ
دل ہے کہ اس کی یاد میں جلتا نہیں رہا
میں اس سے روٹھ کر بھی نہیں روٹھ پاؤں گا
یہ دل بھی آج سے مرا اپنا نہیں رہا
پیتے تھے اس کی آنکھ سے تو جھومتے بھی تھے
ساتی کا بھی نظام وہ پہلا نہیں رہا

وہ تو میرے خلوص پہ تنقید نہ کرے
جو اک رقیب کے لیے میرا نہیں رہا
یوسف چلو اب شہر اس کا چھوڑ جاؤ تم
وہ شخص جس کا بھی ہوا تیرا نہیں رہا



میں جس کا ہو گیا تھا وہ میرا نہیں رہا
پہلے وہ جس طرح کا تھا ایسا نہیں رہا
کل تک وہ پورے شہر کا حاکم تھا دوستو
کہتے ہیں اب یہ شہر بھی اس کا نہیں رہا

تو جو ڈھونڈے تو مل بھی سکتا ہوں
تیری باتوں کے بار میں گم ہوں
بیت جائے گی زندگی ساری
جیسے لحوں کے پیار میں گم ہوں
چاند یوں رات چھت پہ شرمائے
جیسے میں زلف یار میں گم ہوں
زندگی ہے حباب کی صورت
میں اسی کے حصار میں گم ہوں
دوستی کے عوض جہاں والو
دشمنی کے شمار میں گم ہوں



منزلوں تک رسائی ناممکن
ایک راہ کے غبار میں گم ہوں
مجھ سے وہ روٹھ تو نہیں سکتا
بس اسی اعتبار میں گم ہوں
لوٹ آئے گا وہ مسافر بھی
اب اسی انتظار میں گم ہوں
راستے کرچیوں کی زد میں ہیں
منزلوں کے شکار میں گم ہوں

جانے مینوں کس کی راہیں نکلتے ہیں
میں 'میری' ناکام تمنا، تنہا گھر

پیارا ترا گر مل جائے تو کافی ہیں
ٹوٹے پھوٹے دروازے اور کچا گھر

رات کو جس کی چھت پہ چاند کا پہرہ تھا
اس کے شہر میں دیکھ میں نے ایسا گھر

ایک حویلی میں سب تارے ٹوٹ کر
کون مجھے بتلائے تھا وہ کس کا گھر

عشق محبت پیار وفا سب قہے ہیں
کون بسائے یوسف دل کا اجڑا گھر



وہ روشن چوہارے گلہاں تیرا گھر
یہ جنگل ویرانے صحرا میرا گھر

برسوں پہلے ساحل پہ آباد کیا
اب لہروں سے پوچھ رہا ہوں اپنا گھر

ظلم کا بادل اب کے ٹوٹ کے برے گا
کانپ رہا ہے میری آس کا ٹوٹا گھر

جانے مینوں کس کی راہیں نکلتے ہیں
میں 'میری' ناکام تمنا، تنہا گھر

پیارا ترا گر مل جائے تو کافی ہیں
ٹوٹے پھوٹے دروازے اور کچا گھر

رات کو جس کی چھت پہ چاند کا پہرہ تھا
اس کے شہر میں دیکھ میں نے ایسا گھر

ایک حویلی میں سب تارے ٹوٹ کر
کون مجھے بتلائے تھا وہ کس کا گھر

عشق محبت پیار وفا سب قہے ہیں
کون بسائے یوسف دل کا اجڑا گھر

میں جس دن سے تمہارا ہو گیا ہوں
مری جاں بے سہارا ہو گیا ہوں

یہی حاصل ہے میری زندگی کا
میں اس پہ آشکارا ہو گیا ہوں

جو ترے عمر ساری کشتیوں کو
میں اب ایسا کنارہ ہو گیا ہوں

تیری خاطر کوئی تو توڑ لائے
تبھی تو میں ستارا ہو گیا ہوں

مجھے یوسف یہ اندازہ نہیں ہے
میں پتھر ہوں کہ پارا ہو گیا ہوں

﴿اسے پتہ ہے﴾

غیب لذت ہے رنجگوں کی

عجب مزہ ہے اداستوں کا

اسے پتہ ہے

وہ جانتا ہے

تبھی تو اس نے مرے لیے بھی

رقا ہوں کی کتاب لکھی

مری تھیلی پہ اک اداسی کا غظ لکھ
اسے پتہ تھا کہ رتجگوں کے عذاب کیا ہیں
اسے پتہ تھا
رقابتوں کا عذاب ہوگا
تو رتجگے نوچتے رہیں گے
اسے پتہ ہے
کہ میرا اس سے نہ رابطہ ہے
نہ واسطہ ہے
تو پھر وہ جانے لگا تھا کل جب
تو اس کی آنکھوں میں کیوں نمی تھی
وہ کیوں گلوگیر ہو رہا تھا
وہ اس کے دل کی
جو دھڑکنیں تھیں
وہ اتنا کیوں شور کر رہی تھیں



ابھی سوچوں کا اک اونچا نکل تعبیر کرنا ہے
مرا اک خواب ہے جس کو ابھی تعبیر کرنا ہے
میں ننھی ہاتھ میں لے کر وہاں نیلے میں رہتا ہوں
میں رانجھا ہو گیا ہوں اور اس کو میر کرنا ہے
سنا ہے پیار کے رستے بڑے نازک سے ہوتے ہیں
تجھی اس سوت کے دھاگے کو اب زنجیر کرنا ہے
اسے یہ زعم تو ہوگا کہ میں اس کا بیماری ہوں
اسے اب بھول کر میں نے بہت دلگیر کرنا ہے
بدل سکتا نہیں یوسف میں ہاتھوں کی لکیروں کو
جو لکھا ہے وہی تو نے میری تقدیر کرنا ہے



مرے کمرے کی چھت میں ایک چڑیا
بڑی مدت سے شب بھر جاگتی ہے
مجھے خاموشیاں تھنہ ملا ہے
مرے اندر اداسی ناچتی ہے
کبھی وحشت ترے گھر میں اتر کر
کھلے سر رات ساری گھومتی ہے
سنا بہتی میں ویرانی اگی ہے
یہاں سہمی سی رونق پوچھتی ہے

وہاں اک جھوپڑی میری بھی ہوگی
جہاں وحشت سے وحشت بھاگتی ہے
مری معصوم خواہش دور مجھ سے
کھڑے ہو کر تماشا دیکھتی ہے
مری آنکھوں سے دریا ٹوٹتا ہے
سحر جب آسمان سے پھوٹی ہے
اداسی کا مرے گھر میں ٹھکانہ
مجھے صدیوں سے گویا جانتی ہے
میں لحظہ لحظہ گھٹتا جا رہا ہوں
مجھے لحوں کی دیمک چانتی ہے

﴿اسے تو یہ بھی پتہ نہیں ہے﴾

مجھے رلا کر

اسے خوشی جو ملی ہوئی ہے

وہ مارتی ہے

اسے یہ معلوم کب پڑے گا

نئے تعلق

نئی محبت میں جو نشہ ہے

وہ عارضی ہے

اسے تو یہ بھی پتہ نہیں ہے

کہ اس کے سینے میں

دل کے اندر

جو درد ہوتا ہے

وہ مرا ہے

اسے تو یہ بھی پتہ نہیں ہے

کہ اس کی آنکھوں میں

رتجگوں کے جو زاپے ہیں

وہ سب مرے ہیں

اسے تو یہ بھی پتہ نہیں ہے

کہ اس کی آنکھوں کے گرد یہ جو

سیاہ حلقے بنے ہوئے ہیں

یہ کس کی چاہت کی بولتی سب نشانیاں ہیں

اسے تو یہ بھی پتہ نہیں ہے

وہ خواب میں

کس کو پوجتا ہے

وہ کس کے سارے خطوط کو پڑھتا ہے چومتا ہے

قریب ہونٹوں کے ایک تصویر

لا کے پہروں دو سوچتا ہے

جو دیکھتا ہے تو ساری تصویر

بھیگ جاتی ہے آنسوؤں سے

اگر وہ سارے خطوط میرے ہیں

پھر وہ تصویر بھی مری ہے

اسے تو یہ بھی پتہ نہیں ہے

کہ روٹھنے کا بھی ایک اپنا الگ مزہ ہے

اسے تو یہ بھی پتہ نہیں ہے

کہ جسم کی دوریاں دلوں کو

قریب لانے کا واسطہ ہیں

اسے اگر یہ پتہ نہیں ہے

تو کوئی جا کر بتائے اس کو

یہ راستے جو نئے بنے ہیں

یہ منزلیں جو نئی چنی ہیں

یہ رابطے جو نئے ہوئے ہیں

یہ سب برے ہیں

کہ پیار وہ ہے

جو پہلے دل میں سما چکا ہے

اگر حقیقت سے ہم نظر نہ چراکیں تو

بات یہ ہے

کہ اس میں ہمت ہے بھولنے کی

نہ دوستو مجھ میں حوصلہ ہے



اس کو دیکھے ہوئے زمانہ ہوا
 بے سکونی ہی جسم و جاں میں ہے
 دل سے چٹخیں سنائی دیتی ہیں
 بیسے آسیب اس مکاں میں ہے
 اپنی اپنی پڑی ہے لوگوں کو
 کون کس کا بھرے جہاں میں ہے
 کس نے تلا دیا زلیخا کو
 اس کا یوسف بھی اب کنعاں میں ہے



پھاگن چیت بہار کی رت ہے
 اس کے ہار سنگھار کی رت ہے
 غم کے موسم گھر کو جائیں
 خوشیوں کی جھنکار کی رت ہے

اتنی دوری ٹھیک نہیں ہے
 آ! باہوں کے ہار کی رت ہے
 دو دن بھی تھے اس کے اپنے
 یہ بھی اس دلدار کی رت ہے
 جس کا آنچل وقت کو روکے
 اس الیسی ناز کی رت ہے
 ہک نہ جاؤں حیرتی خاطر؟
 پیار کے کاروبار کی رت ہے
 رونا اور پھر روتے رہنا
 یہ تیرے بیمار کی رت ہے
 اپنی زلف سمیٹے رکھنا
 ناگن کی پھنکار کی رت ہے

آئینے سے دور رہا کر
 یہ مستی کی پیار کی رت ہے
 اور کسی سے پیار نہ کرنا
 جسموں کے نیو پار کی رت ہے
 یوسف جی تم یونی دینا
 مصر کے اس بازار کی رت ہے

﴿پاگل لڑکی﴾

میں اس سے انگریزی باتوں

وہ نہ سمجھے

اردو میں بھی بات کروں تو

اس کو بالکل سمجھ نہ آئے

میں یہ چاہوں

ساری باتیں لکھ کر اس کو

خط میں بھیجوں

پھر بھی اپنے آپ سے انھیں

سرو کے جیسے اونچے قد میں

لمبی لمبی گردن والی

ہونٹ گاالی

نہیں نشیلے

گال عنالی

آپنے کے سامنے بیٹھے

اپنے آپ پہ خود مر جائے

یوں کہیے کہ پر یوں جیسی

بھولی بھلی سادو لڑکی

اک عرصے سے

میری آنکھوں کے رستے سے

شہرِ شہر کر چلتے چلتے

میرے دل میں اتری جائے

دن کا چین تو لٹ ہی گیا تھا

رات کی فیند بھی اڑتی جائے

دل جھرائے

اب تو کچھ بھی سمجھ نہ آئے

اس نے مجھ کو

مجھ سے کب کا چھین لیا ہے

اب میں ساری باتیں لکھ کر

اس کو خط میں بھیجوں گا

خط کو پا کر جھوم اٹھے گی

اور پھر

اس کو چومے گی

پھر وہ یکدم چونک اٹھے گی

کمرے اندر

دروازے کے پیچھے ہونکر

رو دے گی

کیونکہ

وہ ہے

ایک دیوانی

النا پڑھ جاہل

پاگل لڑکی



بازی جیت کے باری میں نے

رو رو عمر گزاری میں نے

بت خانے میں جا کر اُترتے

دیکھے ذہیر پجاری میں نے

میری آنکھیں چیخ رہی ہیں
کیسے رات گزاری میں نے
تجھ کو دل میں یار چھپا کر
بوجھ اٹھایا بھاری میں نے
وہ تو میرا قاتل نکلا
جس کی زلف سنواری میں نے
وہ یوسف کل مان گیا تھا
تجھ پہ کی سنگداری میں نے

﴿کبھی لوٹنا تو یہ دیکھنا﴾

کبھی لوٹنا تو یہ دیکھنا
ترے ساتھ گزرے تھے جتنے دن
ترے سنگ بیٹے جتنے پل
ترا روٹھنا تیرا ماننا

ترا جگن تیرا سوچنا
ترے روٹھنے کی نشانیاں
ترے آنسوؤں کی روانیاں
مجھے آج تک سبھی یاد ہیں
کبھی لوٹنا تو یہ دیکھنا
میں نے جو بھی لکھے تھے خط تجھے
تو نے کچھ پڑھے کئی ناپڑھے
میں نے تم کو کبھی تمہیں بالیاں
میری جان گجرا انگوٹھیاں
میں نے بار لے کے دیا تجھے
تو نے وہ بھی واپس کیا مجھے
مجھے آج تک سبھی یاد ہے
تم کبھی لوٹنا تو یہ دیکھنا
ترے گھر کے سامنے لان میں

وہ جو بیڑ تھا
اسی بیڑ کی ہری شاخ پر
ترا نام بھی
مرا نام بھی
تیرے ہاتھ سے ہے لکھا ہوا
کبھی لوٹنا تو یہ دیکھنا
مجھے یاد ہے
ترے راستے میں وہ میٹھنا
تجھے سوچنا
تجھے دیکھنا
ترے گھر سے آتی ہواؤں سے
کبھی اپنے دل کی صداؤں سے
تراپ چھنا
کبھی ہاتھ پر

ترا نام لکھ کے چومن

مجھے یاد ہے

کبھی لوٹنا تو یہ دیکھنا

ترے راستے بھی الگ سہی

تری منزلیں بھی جدا سہی

مگر اس طرح کی یہ دوریاں

میری جان میں یہ نہ سہہ سکوں

تیرے دن میں کس طرح رہ سکوں

میری جان مجھ کو یقین ہے

ابھی اس طرح مجھے چھوڑ کر

میری چاہتوں سے منہ موڑ کر

تجھے نیند آئے گی کس طرح

تو پھر آج آ کر میں فیصلہ

تجھے میں منانے کے واسطے

ترے پاس آؤں گا آج ہی

مگر ایک میری بھی شرط ہے

تو نے جب بھی ہے کبھی لوٹنا

تو یہ دیکھنا

مرے پیار کو نہیں روٹنا

مرے خط کبھی نہیں پھاڑنا

مجھے جیتنا مجھے ہارنا

میرا حوصلہ نہیں توڑنا

تمہیں لوگ کچھ بھی کہیں مگر

میری جان اب نہیں روٹھنا

میری چاہتیں نہیں بھولنا

پروفیسر چوہدری صفدر علی گوندل مرحوم کے نام

حاصل دانش و دیں ، فکر منور صفدر

معم و عرفان کا دریا کہ سمندر صفدر

اس کے اوصاف کبھی شرح و بیاباں سے باہر

عہد حاضر کا کہیں کیوں نہ قنندر صفدر

اس کے افلاس میں بھی شان فنا تھی لوگو

ہم نے ہر حال میں دیکھا ہے تو مگر صفدر

تیرے الفاظ آج بھی گوہر تا بندہ ہیں

تیرے اوراق کبھی برگ معطر صفدر

کھل کے روتے ہیں سبھی اہل تعلق خورشید

چھپ کے مینھا ہے سب احباب کے اندر صفدر

وہ گیا تو ہے طبیعت میں گرانی شام کو

بچھج دیتا تھا وہ آسٹراکٹ نشانی شام کو

اب تو اس سے رابطہ بھی غیر ممکن ہو گیا

وہ جو کرتا تھا ہمیشہ مہمان شام کو

جب بھی سرفی دیکھتا ہوں آسمان پر دور تک
آنسوؤں میں آہی جاتی ہے روانی شام کو

ہم تو رسوا ہو گئے پر پیار تو زندہ رہا
لوگ چوپالوں پہ کسرتے ہیں کہانی شام کو

جس ندی پہ بیٹھتے تھے ہم اکیلے دیر تک
اب بھی جا کر پوچھا ہوں اس کا پانی شام کو

وہ اچانک جب ہوا تھا اس سے پہلا رابطہ
اب بھی یوسف ڈھونڈتا ہوں اس سہانی شام کو



سات پردوں میں چھپا کر دیکھنا
یہ اسے گھر پر بلا کر دیکھنا

آج تک رسوائیوں کا خوف تھا
آج دنیا کو دکھا کر دیکھنا

شام ڈھل جائے تو تنہا بیٹھ کر
نام لکھنا پھر مٹا کر دیکھنا

وہ گھڑی بھی جان یوں ہو گئی
اس کا یوں پلکیں اٹھ کر دیکھنا

کس طرح پھر رقص کرتی ہے جوا
باتھ باتھوں میں تھما کر دیکھنا

خط کا واپس بھیج دینا اور ہے
باقی ماندہ کو جلا کر دیکھنا

روکھنا تو پیار ہی کا جزو ہے
تم مجھے دل سے بھلا کر دیکھنا

میں ہوں تیری آنکھ میں ٹھہرا ہوا
رات کو آنسو بہا کر دیکھنا

